ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

مئی ۲۰۱۹

www.inzaar.pk

May 2019

جب آپ گناہ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو
خدا بھی آپ کو بچانے کا اہتمام کرتا ہے
جب آپ یہ کوشش چھوڑ دیتے ہیں تو آپ کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ماہنامہ

اِنذار

مئی 2019ء شعبان/رمضان 1440ھ

جلد 7 شمارہ 5

ابویحییٰ کے قلم سے

فی شمارہ ــــ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل پیسٹر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

مبارک ہیں وہ

سورج ہر روز چمکتا ہے اور دھرتی کو روشن کر دیتا ہے، مگر اندھوں کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا بے معنی ہے۔ بدر کامل ہر ماہ آسمان پر نمودار ہو کر تاریکیوں کو نور میں بدلتا ہے، مگر سوئے ہوئے لوگ اس کے نور سے بے خبر رہتے ہیں۔

سورج اور چاند جو دنیا کو روشنی دیتے ہیں، اپنا نور اس نورِ ازل سے پاتے ہیں جس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ اپنا جمال اس صاحب جمال سے پاتے ہیں جس کا شریک اور ہم سر کوئی نہیں۔ یہ اپنا کمال اس کی عطا سے دکھاتے ہیں جس کی مثل کوئی نہیں۔ جس کی نظیر کوئی نہیں۔

سورج اور چاند ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر شے پر اس کا فیضان جاری ہے۔ انسان بولتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، خوشبو مہکتی ہے، بارش برستی ہے، تارے چمکتے ہیں، رنگ بکھرتے ہیں؛ غرض ہر شے اپنا جمال و کمال اسی ذات قدیم کے فیضان سے پاتی ہے۔ آسمان اپنا پھیلاؤ، سمندر اپنی وسعت، پہاڑ اپنی بلندی، دھرتی اپنی زرخیزی، دریا اپنی روانی اور زندگی اپنی سرگرمی اسی رب رحمان کے فیض سے پاتی ہے۔

یہ سب انسانوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ مگر انسان کتنا اندھا ہے، اسے یہ نظر نہیں آتا ہے۔ انسان کیسی غفلت کی نیند سو رہا ہے، اسے اس واقعے کی خبر نہیں۔ کائنات کی ہر شے خدا کی صناعی پر سراپا حمد ہے، سراپا تسبیح ہے، مگر انسان سراپا غفلت ہے۔ وہ اندھا بنا رہتا ہے۔

غفلت کے ان اندھیروں میں خدا کے فرشتے جاگنے والوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ نابیناؤں کی اس دنیا میں وہ نظر والوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ سو مبارک ہیں وہ جو خدا کی یاد میں جاگ رہے ہیں کہ وہی جنت کی ابدی بادشاہی میں جگہ پائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو خدا کی صناعی کو دیکھ کر اس کی تحسین کر رہے ہیں کہ وہی حیات ابدی کا جام پئیں گے۔

بے خوفی کی نفسیات

قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے خطاب کیا ہے۔ اس خطاب میں جو حکم سب سے زیادہ دہرایا گیا ہے وہ ایک ہی ہے۔ اللہ سے ڈرو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔

اس حکم کو دہرانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خدا کو جو دینداری مطلوب ہے وہ صرف خوف خدا کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے۔ اس کا خوف اگر ختم ہو جائے تو پھر جو کچھ بچتا ہے اسے یہودیت کہتے ہیں یا پھر مسیحیت۔ سورہ فاتحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائی دو گروہ نہیں بلکہ دو کردار ہیں، جن کے نقش قدم پر چلنے سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت وہ کردار ہے جس میں لوگوں کو اپنا خیر الامم ہونا تو یاد رہتا ہے مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا کو ہدایت اب ان ہی کے ذریعے سے ملے گی۔ ایسے لوگ حق کے علمبردار بنتے ہیں، مگر عملی طور پر ان کی اکثریت بے کردار ہوتی ہے۔ دین وایمان کے ظاہری تقاضوں کی ان کے ہاں دھوم ہوتی ہے، مگر ایمان واخلاق کے اصل مطالبات کی یہ لوگ ہر قدم پر خلاف ورزی کرتے ہیں۔

مسیحیت ایک دوسرا کردار ہے۔ یہ کردار غلو، بدعات اور اسی نوعیت کی دیگر گمراہیوں سے عبارت ہوتا ہے۔ اس کردار کے حاملین دین کے عطا کرنے والی ہستی کو خدا سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اس کے نام کی مالا جپتے، اس کے عشق کا دم بھرتے، مشکلات میں اس کا نام لیتے، مگر عملی طور پر اس کی سیرت کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ اصل دین اور سنت کے بجائے بدعات کو دین بنا لیتے ہیں۔ اپنی ہر گمراہی کو دین سمجھ کر اس میں مگن رہتے ہیں۔

یہ دونوں قسم کے کردار بے خوفی کی نفسیات سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ کردار پیدا ہو جائے تو انسان جہنم کے سوا کہیں اور نہیں جاتا۔ تقویٰ اسی انجام سے انسان کو بچاتا ہے۔

دعوت کی قوت

مسلمانوں نے بنوامیہ کے حکمران ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ایک ساتھ ہی اسپین اور ہندوستان پر حملہ کیا۔ دونوں جگہ کم و بیش آٹھ سو ہزار برس تک مسلمانوں کا اقتدار قائم رہا۔ تاہم اسپین سے مسلمانوں کا اقتدار ہی نہیں خود مسلمان بھی ختم ہو گئے۔ دوسری طرف برصغیر دنیا میں مسلم اکثریت کا سب سے بڑا خطہ ہے۔

اس فرق کی وجہ اسلام کی دعوتی قوت ہے۔ اسپین میں مسلمانوں نے دعوت دین کا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ چنانچہ جب تک طاقت تھی وہ وہاں حکمران رہے۔ طاقت ختم ہوئی تو وہ بھی ختم ہو گئے۔ جبکہ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے علاوہ، وہ لٹے پٹے مسلمان بھی آئے تھے جو عالم اسلام پر تاتاریوں کی فتح کے بعد جان بچانے یہاں آ گئے تھے۔ یہ برباد مسلمان اس خطے میں اسلام کے سفیر بن گئے۔ انھوں نے خاموشی سے مقامی آبادی تک اسلام کی دعوت پہنچائی۔ یوں تاتاریوں سے فوجی شکست کھانے والے دعوت کے بل بوتے پر ہندوستان کے فاتح بن گئے۔

اس کہانی میں ہمارے لیے جو سبق ہے اسے انبیا کے صحیفوں نے کھول کر بیان کر رکھا ہے۔ وہ سبق یہ ہے کہ جب کبھی مسلمان ایمان و اخلاق میں پست ہوتے ہیں، خدا غیر مسلموں کو بطور سزا ان پر مسلط کر دیتا ہے۔ ایسے میں کوئی جنگی جنون مسلمانوں کو خدا کے قہر سے نہیں بچا سکتا۔ اس سے نکلنے کا واحد راستہ توبہ کر کے ایمان و اخلاق کی طرف لوٹنا ہے۔ اس سے ایک طرف مسلمانوں کی اصلاح ہوتی ہے اور دوسری طرف وہ اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا باعث بن جاتے ہیں۔ یہ وہ دوطرفہ عمل ہے جس کی بنا پر خدا ان کو زمین میں دوبارہ اقتدار دے دیتا ہے۔

مسلمانوں کے پاس آج ذلت و رسوائی سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ ایمان و اخلاق کی دعوت کو اپنانا اور اس کو دوسروں تک پہنچانا۔ باقی ہر راستہ ہماری بربادی میں اضافہ کرے گا۔

لہو کی پکار

اسلام کو برا بھلا کہہ کر دہشت گردی کرنے والوں کو بھی انشاء اللہ ایسے ہی شکست ہوگی جس طرح اسلام کا نام لے کر دہشت گردی کرنے والوں کو شکست ہوئی۔ یہی نوشتہ دیوار ہے جسے اسلاموفوبیا کے مریض نہیں پڑھ پا رہے۔

کرائسٹ چرچ کی دو مساجد میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کو جس طرح بربریت کا نشانہ بنایا گیا وہ درندگی کی بدترین مثال ہے۔ یہ قاتل کوئی ایک فرد نہیں۔ یہ ایک پوری سوچ ہے جو مغرب کے ایک طبقے میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ سوچ نفرت سے عبارت ہے۔اس سوچ کا ایک ہی مقصد ہے۔ وہ یہ کہ اسلام کی دعوت کا راستہ روک دیا جائے۔

یہ ایجنڈا انسانوں کا نہیں، شیطان کا ایجنڈا ہے۔اس کا ہتھیار نفرت ہے۔نفرت کا یہ زہر اس نے مسلمانوں میں سے بعض نادانوں کو بھی پلایا اور مغرب کے بعض احمقوں کو بھی۔مگر مغرب ہو یا مشرق شیطان کو ہر جگہ شکست ہوگی۔نفرت کو ہر جگہ شکست ہوگی۔انتہا پسندی کو ہر جگہ شکست ہوگی۔

اسلام خدا کا دین ہے۔ یہ انسانیت کا حق ہے کہ اس کے ہر فرد تک ان کے رب کا پیغام پہنچے۔ خدا یہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔کوئی شیطان اور کوئی انسان اب اسلام کی دعوت کا راستہ نہیں روک سکتا۔اسلام کی دعوت ایک مظلومانہ جدوجہد ہے۔ نیوزی لینڈ کے شہید اس مظلومانہ جدوجہد کی علامت بن کر زندہ رہیں گے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم مشتعل نہ ہوں۔ ردعمل میں نہ آئیں۔نفرت کے جواب میں نفرت نہ پھیلائیں۔ یہ جان لیں کہ ہمارا دشمن انسان نہیں، شیطان ہے۔اہل مغرب ہمارے حریف نہیں ہمارے مدعو ہیں۔ ہمارے پاس ان کی امانت ہے جو ہمیں ان تک پہنچانی ہے۔کوئی شیطان ہمیں ہمارے کام سے نہ روک سکے۔یہی ان مظلوم شہیدوں کے لہو کی پکار ہے۔

قرآن پڑھنے کا طریقہ

رمضان کے بعد عارف کی یہ پہلی مجلس تھی۔ دوران گفتگو انھوں نے سامعین سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے رمضان میں قرآن سے کیسے تعلق پیدا کیا؟ اس پر لوگوں نے جواب دینے شروع کیے۔ قرآن کی تلاوت، ترجمہ و تفسیر پڑھنے سے لے کر دروس قرآن، تراویح اور دورہ قرآن تک لوگوں نے رمضان کی اپنی ہر مصروفیت گنوادی۔

لوگ خاموش ہوئے تو عارف نے سوال کیا۔ آپ میں سے کسی نے کلام الٰہی کو رب کائنات سے مکالمے کا ذریعہ بھی بنایا؟ ان کے سوال پر ایک صاحب نے دریافت کیا۔ یہ مکالمہ کیسے کیا جاتا ہے؟ عارف نے انھی سے پوچھ لیا۔ قرآن مجید کی کوئی آیت سنایئے جو آپ کے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہو۔ انھوں نے جواب میں آیت الکرسی سنادی۔

وہ خاموش ہوئے تو عارف نے کہا۔ ایسے نہیں ...... ایک ایک جملہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔ میں ہر جملے کے بعد بتاؤں گا کہ کلام الٰہی کو مکالمہ الٰہی کا ذریعہ کیسے بنایا جاتا ہے۔ ان صاحب نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُو ۔ عارف نے اسی جگہ انھیں روک کر کہا۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بندے کو جواب میں کہنا چاہیے کہ پروردگار میری عبادت بھی صرف تیرے لیے ہے۔ میری بندگی، میری دعا، میری پرستش، میری ہر نذر اور عبادت تنہا تیرے لیے ہے۔

ان صاحب نے آگے پڑھا۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ وہ اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ عارف کس طرح قرآن پڑھنے کا کہہ رہے ہیں۔ عارف نے تحسین میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ صرف وہی زندہ ہے۔ صرف وہی ہے جو خود سے قائم ہے۔ ہماری زندگی اور ہمارا وجود تو اس کی عطا سے ہے۔ سو بندے کو کہنا چاہیے کہ آقا تیری عطا کردہ زندگی کا شکریہ۔ زندگی باقی رکھنے کا شکریہ۔ ان صاحب نے آگے کہا۔ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْم ۔ عارف نے کہا۔ اونگھ بھی کمزوری ہے

اور نیند بھی کمزوری ہے۔ میرے رب تو پاک ہے؛ ہر کمزوری سے، ہر ضرورت سے۔ ہر عجز سے، ہر غفلت سے۔ ان صاحب نے مزید پڑھا۔ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۔ عارف نے جواب دیا۔ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ جب وہی بادشاہ ہے، جب سب اسی کی مِلک ہے تو پھر حکم بھی اسی کا مانا جائے گا۔ مالک میں بھی تیرا غلام ہوں۔ مجھ پر تیرا ہی حکم چلتا ہے۔ تیرا ہر لفظ میرے لیے آخری حکم کا درجہ رکھتا ہے۔

یہ کہتے ہوئے عارف کی آواز بھرا گئی۔ مگر فوراً انھوں نے اپنا لہجہ سنبھالتے ہوئے کہا: آگے پڑھیے۔ ان صاحب نے پڑھا۔ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۔ وہ خاموش ہوئے تو عارف نے کہا۔ علم بھی اسی کا ہے اور اذن بھی اسی کا ہے تو فیصلہ اور مرضی کسی اور کی کیسے ہوسکتی ہے؟ فیصلے کا حق بھی تنہا اسی کو حاصل ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس کے فیصلے کی بیچ میں بول سکے۔ پھر خود ہی بولے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۔ بے شک اس کا اقتدار زمین سے آسمانوں تک پھیلا ہوا ہے اور ان کی نگہبانی اسے ذرہ برابر مشکل نہیں۔ اس بات کے جواب میں بندے کو جو کہنا چاہیے وہ اللہ نے خود ہی بتا دیا ہے۔ یعنی بندے کو کہنا چاہیے کہ مالک تیرا یہ بے پناہ اقتدار تیری علوشان اور کبریائی کا بیان ہے اور تیری یہ ان تھک نگرانی تیری اس انتہائی طاقت کا بیان ہے جس تک کوئی عظمت نہیں پہنچ سکتی۔

جب آپ قرآن اس طرح پڑھیں گے تو یہ پروردگار سے ایک زندہ مکالمہ بن جائے گا۔ پھر فرشتوں میں دوڑ لگ جائے گی کہ کون آپ کے الفاظ کو لپکتا اور مالک کائنات کے حضور پیش کرتا ہے۔ قرآن کو ایسے پڑھنا سیکھ لیں۔ آپ خود کو خدا کی حضوری میں پائیں گے۔

عارف کی محفل ختم ہوگئی مگر آج لوگوں نے قرآن پڑھنے کا طریقہ سیکھ لیا۔

حفظ فروج

حفظ فروج قرآن مجید کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ قرآن مجید نے اس کو جس طرح استعمال کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف بدکاری سے بچے رہنے جیسا کوئی سلبی وصف نہیں بلکہ مومن مردوں اور عورتوں کا وہ وصف ہے جو ان کے دین کا جمال و کمال ہے۔ سورۃ الاحزاب میں آیت 35 میں یہ اصطلاح اسی پہلو سے مومن مردوں اور عورتوں کے لیے استعمال ہوئی ہے۔

تاہم اس کا نقطہ آغاز بدکاری سے بچنا ہی ہے۔ سورۃ المعارج 29:70 اور سورۃ المومنون 5:23 میں اس اصطلاح کو انھی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مگر یہ نقطہ آغاز ہے، نکتہ اختتام نہیں۔ سورۃ النور (24:31-30) میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مکمل طور پر کھول دیا ہے۔ وہاں مرد و زن دونوں کو نگاہوں کو بچا کر رکھنے کا حکم دینے کے بعد حفظ فروج کا حکم دیا ہے۔

'فرج' یعنی شرمگاہ اعضائے جسمانی میں سے ایک ہے۔ اس کی حفاظت کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ انسان زنا نہ کرے اور برہنگی سے بچے۔ لیکن یہ بات بالبداہت واضح ہے کہ ایک مجلس میں موجود مرد و خواتین کو بطور شریعت کے کسی حکم کے یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسی کسی مجلس میں زنا کرنا نہ شروع کر دیں یا برہنگی سے پرہیز کریں۔ اس لیے یہاں سورہ نور میں ''حفظ فروج'' زنا نہ کرنے کے مفہوم میں نہیں بلکہ انسان کے صنفی جذبے کی تعبیر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے جس کے لیے حدیث میں مـــائـلات و ممیلات، (مسلم، رقم 2128) یعنی ''مائل ہونے اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والیاں'' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

مراد اس سے یہ ہے کہ ایسے موقع پر مرد و زن کوئی عمل اور رویہ ایسا اختیار نہ کریں جو صنف مخالف کو جنسی طور پر اپنی طرف متوجہ کرے۔ ایسے مواقع پر انسان کو انسانی رویہ اختیار کرنا چاہیے نہ کہ شہوانی رویہ۔ دل میں جب شہوانیت جگہ پاتی ہے تو پھر اس کا ظہور کبھی لباس سے ہوتا

ہے، کبھی باتوں سے اور کبھی ناز و انداز اور لب و لہجے سے۔ چنانچہ یہاں ''حفظ فروج'' میں یہ سارے پہلو داخل ہیں جو اپنی یا مخاطب کی شہوانیت کو بیدار کریں۔

اصل حکم یہاں پورا ہو گیا تھا، مگر خواتین عادتاً اور طبعاً دو مزید پہلو ایسے لیے ہوتی ہیں جو بغیر کسی شہوانیت کے انھیں ''مـمـیـلات'' یعنی دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی بنا سکتے ہیں، اس لیے انھیں ان دو چیزوں پر مزید توجہ دلا دی۔ ایک یہ کہ اس موقع پر وہ اپنی زینتوں کو چھپائیں اور اس طرح چھپائیں کہ پاؤں کی مخفی پازیب کی جھنکار بھی مخاطب کے لیے کسی قسم کا دعوت نامہ نہ بنے۔ البتہ جو اعضا عادتاً اور جبلتاً کھلے رہتے ہیں یعنی ہاتھ اور چہرہ وغیرہ، ان پر اگر کوئی زینت ہے تو اس میں رفع حرج کے اصول پر رعایت دے دی گئی ہے۔ باقی زینتیں قریبی اقربا اور احباب کے سوا کسی کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔

دوسرے یہ کہ خواتین کا لباس جسم کو مکمل ڈھانپے ہوئے ہو تب بھی اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر اس طرح ڈالے رکھیں کہ سینہ بھی فی الجملہ چھپ جائے۔ اس طرح خواتین کی وہ صنفی کشش غیر نمایاں ہو جاتی ہے جو مخاطب کی شہوانیت کو بھڑکانے کی طبعی خصوصیت رکھتی ہے۔ خیال رہے کہ کسی تہذیبی روایت میں خمار یا اوڑھنی کی جگہ خواتین یہی مقصد اور طریقے سے حاصل کر لیں تو دین کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس سورہ میں آگے وضاحت ہے کہ بزرگ خواتین نے اگر زیورات پہن کر اپنی نمائش کا اہتمام نہ کر رکھا ہو تو ان پر یہ پابندی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اِس عمر میں نسوانی سینے کی جنسی کشش ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ گرچہ وہ یہ کر لیں تو اسے ہی بہتر قرار دیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ دو مزید احکام خواتین کے پہلو سے حفظ فروج ہی کے مزید دو گوشوں کو متعین کرتے ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سورۃ الاحزاب میں جب یہ

اصطلاح بندہ مومن کے دینی کمال کے طور پر بیان ہوئی ہے تو اس سے مراد صرف بدکاری سے بچنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ مجموعی طور پر اس رویے کا بیان ہے جس میں ایک مومن صنف مخالف کے معاملے میں شہوانیت کے بجائے انسان کی سطح پر رہتا ہے۔

ایسے مومن ہر اس طریقے سے دور رہتے ہیں جو زنا کے قریب لے جانے والا ہو۔ وہ اپنے قول، فعل اور رویے سے نہ خود صنف مخالف کے لیے دعوت بنتے ہیں نہ ان کو دعوت گناہ دیتے ہیں۔ وہ خود بھی پاکدامنی اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کی ناپاکی کا سامان بھی نہیں کرتے۔ یہی حفظ فروج ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم نجش نہ کرو۔

نجش یہ ہے کہ ایسا آدمی جو سامان کے اچھے برے کی تمیز رکھتا ہو سامان والے کے پاس آئے اور اصل قیمت سے بڑھا کر سامان کی قیمت لگائے اور یہ ایسے وقت ہو جب خریدار اس کے پاس موجود ہو، مقصد صرف یہ ہو کہ اس سے خریدار دھوکہ کھا جائے اور وہ (دام بڑھا چڑھا کر لگانے والا) خریدنے کا خیال نہ رکھتا ہو بلکہ صرف یہ چاہتا ہو کہ اس کی قیمت لگانے کی وجہ سے خریدار دھوکہ کھا جائے۔ یہ دھوکہ ہی کی ایک قسم ہے۔(ابن ماجہ رقم: 2174)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر دھوکہ دینے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس کے ذریعہ وہ پہچانا جائے گا۔(بخاری رقم: 6966)

ابو یحییٰ

بیماری بھی ایک نعمت ہے

عربی زبان کا ایک مقولہ ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ صحت وہ تاج ہے جسے پہن کر انسان بادشاہ بن جاتا ہے، مگر یہ تاج صرف بیماروں کو نظر آتا ہے۔ یہ صحت کی اہمیت کے حوالے سے ایک بہت ہی بلیغ بات ہے جو کمال خوبصورتی سے اس حقیقت کا بیان ہے کہ صحت اس دنیا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہ نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے بادشاہی سے کم نہیں ہے کیونکہ بادشاہ وہ ہوتا ہے جو ہر طرح کے کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

صحت مند انسان کا معاملہ بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ جو چاہے کھا سکتا ہے۔ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مگر جیسے ہی انسان بیمار ہوتا ہے اس کے سر سے یہ ''تاج'' ہٹ جاتا ہے۔ وہ بستر پر جا لگتا ہے اور کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہتا۔ طبیب یا ڈاکٹر اسے پرہیز بتا دیتا ہے اور وہ اپنی پسند کا کھا نہیں سکتا۔ انسان نہ کاروبار کرسکتا ہے نہ ملازمت۔ بیماری شدید ہو تو ہسپتال کے بستر پر اور ڈاکٹروں کے رحم وکرم پر پڑے رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

بیماری: عارضی مصیبت مگر مستقل نعمت

صحت کی یہ نعمت ایک عظیم نعمت ہے۔ مگر جیسا کہ عربی مقولے میں بتایا گیا ہے کہ صحت مند نارمل زندگی گزارنے والے لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ عام طور پر ہم صحت مند رہتے ہیں اور شروع دن ہی سے صحت ہمیں ملی رہتی ہے اس لیے ہم اسے معمول کی چیز سمجھتے ہیں۔ یہ ہمیں کوئی خاص بات نہیں لگتی۔ صحت کی اس عظیم نعمت پر ہم اپنے رب کی شکر گزاری کرنا تو دور کی بات ہے اس کی ناشکری، نافرمانی، غفلت و معصیت حتیٰ کہ سرکشی اور بغاوت کا ارتکاب بھی مسلسل کرتے ہیں۔

ایسے میں یہ رب کی رحمت ہے جسے جوش آتا ہے۔ ہمارا مہربان رب یہ دیکھ لیتا ہے کہ بندہ اگر اسی طرح غافل رہا تو جہنم کی سزا اور ابدی پکڑ کا شکار ہو جائے گا۔ یا جنت کے جن درجات کو یہ حاصل کرسکتا ہے، ان سے محروم رہ جائے گا۔ چنانچہ ایسے میں اللہ تعالیٰ بیماری کو بھیجتے ہیں۔

یہ بیماری بظاہر ایک مصیبت ہے۔ آتی ہے تو انسان ہی نہیں، اس کا پورا خاندان ہل کر رہ جاتا ہے۔ مگر یہ ایک عارضی مسئلہ ہوتی ہے۔ اسے چلے جانا ہوتا ہے۔ لیکن یہ انسان کے گناہ جھاڑ جاتی ہے۔ انسان کے درجات بلند کر جاتی ہے۔ انسان کو رب سے قریب کر جاتی ہے۔ ان تمام پہلوؤں سے بیماری کی بہت تکلیف دہ، مگر عارضی صورتحال ایک مستقل نعمت یعنی خدا کی رحمت کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ جب بھی بیماری آئے، کبھی بے حوصلہ نہ ہوں۔ صبر سے کام لیں۔ یہ مشکل وقت گزر جائے گا، مگر آپ کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہمیشہ کے لیے لکھ دیا جائے گا۔

بیماری اور تکلیف کا اجر

قرآن مجید اور احادیث میں انسان کی یہ ذہن سازی کی گئی ہے کہ وہ کسی دکھ بیماری کے موقع پر اس عظیم حقیقت کو یاد رکھے کہ اس دنیا کا کھونا بھی پانا ہی ہے۔ اس بیماری میں جو دکھ، تکلیف، مالی نقصان اور جسمانی آزار انسان کو پہنچتا ہے اس کا اجر انسان کو انشاء اللہ بہت زیادہ دیا جائے گا۔ قرآن مجید سورہ بقرہ میں صحابہ کرام کو جو بات فرماتا ہے کہ ہم تمھیں کچھ خوف، بھوک، جان، مال اور پیداوار کے نقصان سے آزمائیں گے، جزوی طور پر ہر انسان کے بارے میں درست ہے۔ جان کا نقصان بیماری کی شکل میں ہر شخص کو بھگتنا پڑتا ہے۔

مگر جو بشارت صحابہ کو دی گئی وہ ہر صبر کرنے والے کے لیے ہے جو مصیبت آنے پر اللہ ہی کو یاد کرتے ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمت و عنایت ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بشارت کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

احادیث طیبہ میں بھی بکثرت دکھ و بیماری پر صبر کا اجر بیان کیا گیا ہے۔ چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

جس شخص سے اللہ جل شانہ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں (بخاری، رقم 5645)

جب کسی مومن آدمی کو کوئی کانٹا چبھتا ہے یا اس سے بڑھ کر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے یا اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے، (مسلم، رقم 6562)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بیماریوں کے ذریعے آزماتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے تمام گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، (السلسلة الصحيحة، رقم 3393)

جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر میں جاتا ہے تو اس کے وہ تمام نیک اعمال لکھ دیے جاتے ہیں جو وہ حالت قیام اور زمانہ تندرستی میں کیا کرتا تھا، (بخاری، رقم 2996)

بخار کو برا نہ کہو کیونکہ بخار بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم، رقم 6570)

ایک عظیم نبی کی سنت

معلوم حقیقت ہے کہ انسانوں میں سب سے بلند درجہ حضرات انبیا علیہم السلام کا ہے۔ ان کے مقام تک پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ مگر بیماری میں انسان صبر سے کام لے اور بیماری میں حوصلہ ہارنے اور شکوہ شکایت کرنے کے بجائے اس مشکل میں بھی خدا کی یاد، نماز اور استغفار سے کام لے تو انسان کا یہ صبر اسے خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ایوب علیہ السلام کی سنت پر عمل کا عظیم موقع فراہم کرتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ کیا تھا اس کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، مگر زیادہ امکان یہ ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ کے بعد اور حضرت شعیب علیہما السلام سے پہلے کا ہے۔ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیسو کی اولاد میں سے تھے۔ آپ نبی ہونے کے ساتھ ایک صاحبِ مال و دولت سردار تھے۔ ہر طرح کی نعمتیں، کثرتِ اولاد، مال و مویشی، عزت و شرف وغیرہ کی شکل میں آپ کو دی گئیں تھیں۔ بائبل کے مطابق مشرق میں آپ سے بڑا کوئی آدمی نہ تھا۔ مگر آپ بے حد شکر گزار اور عابد و زاہد تھے۔ ساتھ ہی آپ اپنی قوم کو اچھی باتوں کی تلقین کرتے اور برائیوں سے روکتے۔

شیطان نے آپ کے دعوتی کام میں رخنہ ڈالنے کے لیے لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ایوب کو تو اتنی نعمتیں دی گئی ہیں کہ اسے بہر حال شکر گزار بننا ہی چاہیے اور نیکی کی باتیں کرنی چاہئیں۔ اس میں ان کا کیا کمال۔ بات تو تب ہے کہ مصیبت میں بھی یہ انہی باتوں پر قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حجت پوری کرنے کے لیے اپنے نبی کو ان کے سامنے ایک نمونہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ان پر مصائب و آلام آنے شروع ہوئے۔ پہلے مال و مویشی تلف ہو گیا۔ پھر ایک ایک کر کے اولاد مر گئی۔ آخر میں خود اپنے وجود پر آفت آئی اور ایک انتہائی موذی مرض کا شکار ہو گئے۔ اس صورتحال میں سب لوگ ساتھ چھوڑ گئے۔ یہاں تک کہ ایک وفادار بیوی کے سوا اور کوئی پاس میں نہیں رہا۔ مگر صبر و استقامت کے اس پہاڑ کا حال یہ تھا کہ جب کبھی کوئی مصیبت آتی تو زبان سے ایک ہی جملہ نکلتا۔

رب نے دیا، رب نے لیا، رب کا نام مبارک ہو

ایک قول کے مطابق آپ تیرہ برس تک اس آزمائش میں رہے۔ کہنا اور سننا آسان ہے، مگر دکھوں کے وہ شب و روز جن میں انسان کو ایک ایک پل صدیوں کے برابر لگتا ہے، آپ پر اس

طرح آئے کہ تقریباً 4700 دن اور رات آپ اس حال میں رہے۔ مگر آپ کے صبر و شکر کی کیفیات میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ البتہ جب آزمائش بڑھتی چلی گئی تو تڑپ کر رب کو اس طرح پکارا:

أَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

یعنی اے رب مجھے سخت دکھ پہنچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

ارحم الراحمین

حضرت ایوب بے پناہ تکلیف میں تھے، مگر جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے تحت انہیں آزما رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے صبر کا ایک نمونہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اپنے منصب کی بنا پر وہ براہ راست یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ پروردگار تکلیف کو دور کردے کیوں کہ یہ کہنا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف دعا کرنے کے مترادف ہوتا۔ مگر کیا بات ہے ان حضرات انبیا کی، جو خدا کے سب سے بڑے عارف ہوتے ہیں۔ جب خدا کو پکارا تو اپنا مسئلہ بیان کر کے فقط اتنا کہا کہ تو ارحم الراحمین ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو اس دعا میں پوشیدہ ہے اور جس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

اللہ کا تعارف ایک شخصیت کے طور پر یہ ہے کہ وہ تنہا ہے اور اس جیسا کوئی نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی صفات بے شمار ہیں۔ جب وہ مخلوقات کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تو اپنی انہی صفات کے اعتبار سے کرتا ہے۔ وہ اپنی ہر ہر صفت کے ساتھ انسانوں کی زندگی میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ تاہم اس کی صفات میں کوئی صفت ایسی نہیں جو صفتِ رحمت کا مقابلہ کر سکے۔ بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی صفت اگر ایسی ہے جو اس کی ہر صفت پر غالب آ کر توحید کی طرح اس کی شخصیت کا مستقل حصہ ہے تو وہ صفتِ رحمت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں الرحمٰن کو اپنی صفت کے طور پر بھی استعمال کیا ہے اور اپنے ذاتی نام کے طور پر بھی۔

یہی وہ چیز تھی جس سے حضرت ایوب واقف تھے۔ اس لیے جب تکلیف نا قابل برداشت

ہو گئی تو اللہ تعالیٰ سے صرف اتنا کہا کہ میں دکھ میں ہوں اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ مطلب اس جملے کا یہ تھا کہ پروردگار تیری حکمت اپنی جگہ، میں تیری رضا کے خلاف جانا بھی نہیں چاہتا لیکن میں اس حکمت کے ظہور کو سہہ نہیں سکتا۔ جب کہ تیرے بارے میں حقیقت بھی یہی ہے کہ تو حکیم سہی، لیکن اصلاً تو رحمٰن ورحیم ہے۔ سو مجھے دیکھ کہ میں دکھی ہوں اور خود کو دیکھ کہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی انسان پر تکالیف بہت سی وجوہات سے آسکتی ہیں۔ امتحان، سزا، درجات کی بلندی، کھوٹ کی دوری، اور دیگر مصالحِ رب وغیرہ۔ یہ تکالیف اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کا ظہور ہوتی ہیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کو اس کی صفت رحمت کے ساتھ تڑپ کر پکارا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت جو اس کی صفات میں سب سے زیادہ اس پر غالب ہے، حرکت میں آتی ہے اور ہر دوسری صفت کو مغلوب کر کے اپنا ظہور کرتی ہے۔ یہ صفتِ رحمت ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی شخصیت پر غالب رہتی ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت اور توحید کا انکار کر دیا جائے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ابدی طور پر محروم ہو جاتے ہیں۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ صرف شرک ہی کے گناہ کو معاف نہیں کریں گے، باقی جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے۔

چنانچہ جیسے ہی حضرت ایوب نے تڑپ کر رب کو اس کی رحمت کے ساتھ پکارا تو سارے معاملات ٹھیک کر دیے گئے۔ ان کی صحت، اولاد، مال نہ صرف لوٹا دیے گئے بلکہ زیادہ دے دیے گئے اور قرآن میں ابد تک کے لیے ان کے لیے یہ شاندار الفاظ نقل کر دیے گئے کہ ہم نے اسے صابر پایا۔ وہ کیا ہی اچھا بندہ تھا۔ بیشک وہ رجوع کرنے والا تھا۔

ہسپتال مقامِ عبرت، مقامِ نصیحت

بیماری کا جب بھی ذکر چھڑتا ہے تو ذہن بے اختیار ڈاکٹر اور ہسپتال کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ہسپتال ویسے تو کوئی پسندیدہ جگہ نہیں۔ چاہے آپ کسی کی عیادت کے لیے وہاں جا رہے ہوں یا علاج معالجے کے لیے وہاں موجود ہوں۔ لیکن ہمارا ذہن نصیحت حاصل کرنے والا ہو تو ہسپتال جا کر بھی ہم بہت سے قیمتی سبق لے سکتے ہیں۔

پرانے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے قبرستان جایا کرو۔ مگر اس دور میں نصیحت حاصل کرنے کی بہتر جگہ ہسپتال ہے۔ قبر کا مردہ اپنی بے بسی کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ مگر ہسپتال میں پڑا بیمار زبان حال سے آپ کو یہ بتاتا ہے کہ وہ کس مصیبت میں ہے اور آپ کیسی آسانی میں ہیں۔ ہسپتال اگر بیمار کے لیے مقام صبر ہے تو باقی لوگوں کے لیے مقام شکر ہے۔

اس لیے جو شخص مریض بن کے ہسپتال جائے اسے اگر صبر کرنا چاہیے تو عیادت کے لیے وہاں جانے والوں پر فرض ہے کہ وہ اپنی نعمتوں اور عافیت کا ادراک کریں۔ اس رب کی شکر گزاری کے احساس میں سراپا نیاز بن جائیں جس نے بلا استحقاق انھیں صحت کی وہ دولت عطا کی ہے جو کسی بادشاہی سے کم نہیں ہے۔

عیادت کا اجر اور آداب

بیماری کے موقع پر کسی کی عیادت کرنا ہماری اخلاقی ذمہ داری اور ایک تہذیبی روایت ہے۔ مگر ہمارے دین نے اس کو ایک مذہبی روایت بھی بنا دیا۔ اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، جب تیری اس سے ملاقات ہو تو اسے سلام کر، جب وہ تجھے دعوت دے تو اسے قبول کر، جب وہ تجھ سے خیر خواہی و نصیحت طلب کرے تو اس سے خیر خواہی کر، جب اسے چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو اسے یرحمک اللہ کہہ کر جواب

دے، جب وہ بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کر اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو، (صحیح مسلم، رقم 2162)

مریض کی عیادت کرنے والا واپس آنے تک جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ (صحیح مسلم، رقم 2568)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مریضوں کی عیادت کا حکم دیا، (بخاری، رقم 5635، مسلم، رقم 2066)

اس ضمن کی سب سے خوبصورت روایت یہ حدیث قدسی ہے:

اللہ رب العزت قیامت کے دن کہے گا ''اے آدم کی اولاد! میں بیمار ہوا تھا تو نے میری عیادت نہیں کی''، بندہ کہے گا ''اے اللہ کیسے میں تیری عیادت کرتا جبکہ تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے؟'' اللہ کہے گا: ''کیا تم نہیں جانتے کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا، تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کو نہ گیا؟ کیا تجھے خبر نہیں، اگر تم اس کی عیادت کو جاتے تو تم مجھ کو اس کے پاس پاتے''، (مسلم، رقم 2569)

عیادت کا یہ اجر اپنی جگہ مگر آج کل لوگ عیادت کرتے وقت بعض ایسے معاملات کرتے ہیں کہ یہ عیادت بیمار اور اس کے اہل خانہ کے لیے جو پہلے ہی پریشان ہوتے ہیں، مزید پریشانی کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ عیادت کے لیے جاتے وقت چند امور کا خیال رکھنا چاہیے۔

اول یہ کہ اگر کوئی شخص ہسپتال میں ہے تو وہیں ہسپتال کے اوقات میں اس کی عیادت کے لیے چلے جائیں۔ کیونکہ وقت پر مزاج پرسی ہی بہتر ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ بیمار اور ان کے اہل خانہ کو بھی حوصلہ ہوتا ہے۔ اس موقع پر اگر ممکن ہے تو کچھ ایسی چیزیں ساتھ لے جائیں جن کی ان کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ جیسے ہسپتال میں تیماردار کے لیے کھانے پینے کا سامان لے کر جایا جا سکتا

ہے۔تعلق قریبی ہےتو جانے سے پہلے پوچھا بھی جاسکتا ہے۔اسی طرح اگران کوکسی مالی مدد کی ضرورت محسوس ہواور آپ کر سکتے ہیں تو ضرور کیجیے۔

عیادت کے لیے جائیں تو کوشش کریں کہ کم سے کم وہاں رکیں۔اگر مریض یا تیماردار اصرار کریں یا ان کو ضرورت ہو تو پھر زیادہ رکنا بھی مناسب ہوگا۔ ورنہ مختصر وقت گزارنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو جائیں۔

اگر کوئی شخص گھر پر ہے مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ مزید کچھ چیزوں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔جب کسی کے ہاں جائیں تو اجازت لے کر جائیں۔ایسے وقت میں مت جائیں جب کھانے کا وقت قریب ہو۔ ورنہ انھیں آپ کے لیے بھی اہتمام کرنا پڑے گا جو ان کے لیے باعث مشقت ہوگا یا پھر وہ آپ کے جانے کا انتظار کریں گے جس سے انھیں زحمت ہوگی۔

کسی قسم کی فرمائش نہ کیجیے۔چائے وغیرہ کا پوچھا بھی جائے تو اصرار کر کے منع کر دیں۔بہتر تو یہی ہے کہ تعزیت اور عیادت کے موقع پر کسی کے ہاں جاتے وقت یہ رواج ہونا چاہیے کہ کسی کو کوئی چیز پیش نہ کی جائے اور نہ کوئی اس کا برا مانے۔مہمان نوازی کے مواقع دوسرے ہوتے ہیں۔ یہ مواقع غمگساری کے ہوتے ہیں نہ کہ پریشان لوگوں کی پریشانی میں مزید اضافہ کرنے کے۔کیونکہ بیمار کے گھر تو دس لوگ آتے ہیں۔وہ ہر شخص کے لیے میزبانی کرے گا تو جانی اور مالی طور پر مزید بوجھ ان لوگوں پر پڑ جائے گا۔

اپنی صحت کا خیال

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو جسم عطا کیا ہے وہ ایسی صلاحیت رکھتا ہے کہ خود کو ہر طرح کی بیماری سے بچائے۔مگر ہم خراب معمولات،غذا، ورزش نہ کرنے،سونے جاگنے کے اوقات کی خرابی اور غیر ضروری پریشان رہنے کی عادت کی بنا پر اپنے جسم کو کمزور کر لیتے ہیں۔جس کے بعد وہ کسی بھی

بیماری کا شکار ہوجاتا ہے۔ بیماری اگر اس چیز کا موقع ہے کہ ہم اپنے گناہوں اور کمزوریوں کا احتساب کرکے رب سے معافی مانگیں تو اس بات کا بھی موقع ہے کہ ہم اپنی عادات اور معمولات پر نظرثانی کریں۔

اس طرح ہم مستقبل میں بیماریوں اور پریشانیوں سے بچے رہیں گے۔اس کے ساتھ ہمیشہ اللہ سے عافیت کی دعا کریں۔اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون دعاؤں کو پڑھنا بہت مفید رہتا ہے۔ چاہیں تو اپنی زبان میں بھی ہر نماز میں صحت و عافیت کی دعا کو معمول بنالیں۔انشاءاللہ بہت سی تکالیف سے بچے رہیں گے۔

موت کا وزیٹنگ کارڈ

اس ضمن میں آخری بات یادرکھنے کی یہ ہے کہ بیماری موت کا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ بیماری یہ بتاتی ہے کہ اس جسم کو ایک روز موت کا سامنا کرنا ہے۔اس لیے ہر بیماری اس وقت کی یاددہانی کا سبب بن جانی چاہیے جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔اس وقت کے لیے ہم نے کیا تیاری کررکھی ہے۔آگے کیا بھیج رکھا ہے،اسے ہمیشہ یادرکھنا چاہیے۔

اس جنت کے بارے میں سوچنا چاہیے جس میں موت ہوگی اور نہ کوئی بیماری۔کوئی دکھ ہوگا اور نہ کوئی آزاری۔کوئی مشکل ہوگی اور نہ کوئی پریشانی۔ نہ جان پر کوئی تکلیف آئے گی نہ مال پر کوئی آنچ آئے گی۔ وہ دن تو آئے گا اور اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ وہ زندگی تو حق ہے اور اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس لیے بیماری کے موقع کا فائدہ اٹھا کر جنت کی تیاری کا عزم کیجیے۔ورنہ دوسرا انجام جہنم ہے جس میں ہر دکھ،غم ،تکلیف اور اذیت جمع کردی جائے گی۔یہ بیماری تو ختم ہوجائے گی۔وہ عذاب کبھی ختم نہ ہوگا۔اس سے بچنے کا عزم کیجیے۔

جہاں رہیے اللہ کے بندوں کے لیے باعث رحمت بن کر رہیں، باعث آزار نہ بنیں۔

جاوید چوہدری

شاید آپ کے پاس ہو

آرش درم بخش کے والدین ایران سے تعلق رکھتے تھے، ایران میں انقلاب شروع ہوا تو یہ لوگ فرانس بھاگ آئے، آرش 25 جولائی 1979 کو پیرس میں پیدا ہوا، یہ پیدائشی فرنچ تھا، ہجرت یا نقل مکانی بے شمار نفسیاتی، سماجی اور تہذیبی مسائل لے کر آتی ہے، آرش درم بھی بچپن میں ان مسائل کا شکار رہا، والدین نے بیروزگاری بھی بھگتی، بیماریاں بھی دیکھیں اور بھوک بھی سہی، آرش نے بچپن میں بارہا دیکھا یہ لوگ بھوکے سو رہے تھے جب کہ ہمسائے تیار خوراک کچرہ گھروں میں پھینک رہے تھے۔

آرش کا والد بعض اوقات بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بھیک مانگنے پر بھی مجبور ہو جاتا تھا جب کہ والدہ کو دوسروں کے گھروں میں صفائی بھی کرنا پڑ جاتی تھی، آرش نے بھی بچپن ہی میں کام شروع کر دیا تھا، یہ محنتی تھا چنانچہ یہ زندگی میں ترقی کرتا چلا گیا، یہ وکیل بنا، وکالت میں نام پیدا کیا اور یہ بعدازاں سیاست میں آ گیا، یہ پیرس کا سٹی کونسلر منتخب ہو گیا، آرش کا بچپن محرومی میں گزرا تھا لہٰذا یہ جب پیرس میں خوراک ضائع ہوتے دیکھتا تھا تو اسے بہت افسوس ہوتا تھا۔

آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی 2015 تک فرانس تیار خوراک ضائع کرنے والے ملکوں میں پہلے نمبر پر تھا، کیوں؟ وجوہات بہت دلچسپ تھیں، فرنچ کھانے میں دنیا کے محتاط ترین اور صاف ترین لوگ ہیں، آپ ان کی نفاست ملاحظہ کیجیے، کٹلری کا لفظ بھی فرنچ زبان سے نکلا، کٹلری (چھری، کانٹا، چمچ) کا استعمال مصر میں شروع ہوا، بازنطینی حکمرانوں نے استنبول میں اسے اشرافیہ کی زندگی کا حصہ بنایا اور یہ بعدازاں یونان کے ذریعے یورپ میں داخل ہو گئی۔

برطانیہ میں سترہویں صدی میں کٹلری کا پہلا کارخانہ لگا اور یوں دنیا میں ٹیبل مینرز شروع ہو گئے، ٹیبل مینرز (کھانے کے آداب) کے بے شمار فوائد سامنے آئے لیکن اس کا ایک نقصان بھی ہوا

اور وہ نقصان کھانے کا زیاں تھا، یورپ میں لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا تھا کھانا اگر ایک بار میز پر آ گیا تو یہ دوسری بار استعمال کے قابل نہیں رہتا لہٰذا یہ لوگ بچ جانے والا کھانا ضائع کر دیتے تھے، فرانس اس معاملے میں پورے یورپ سے آگے تھا، فرانس کے باسی ہر سال 8 ملین ٹن تیار کھانا ضائع کرتے تھے، پورے یورپ میں 89 ملین ٹن جب کہ دنیا میں ایک ارب 30 کروڑ ٹن تیار خوراک ضائع کر دی جاتی تھی۔

فرانس میں روایت تھی کہ ریستوران میں جو کھانا میز پر سرو کر دیا گیا، گاہک نے اگر وہ نہیں کھایا یا اس کا کوئی حصہ بچ گیا تو عملہ گاہک کے اٹھنے کے بعد وہ کھانا کچرے کی ٹوکری میں ڈال دیتا تھا، اسٹورز میں بھی زائد میعاد خوراک ضائع کر دی جاتی تھی، دوسری جنگ عظیم کے دوران اس ٹرینڈ میں تھوڑی سی تبدیلی آئی، لوگ ریستوران سے اپنا بچا ہوا کھانا پالتو جانوروں کے لیے پیک کرانے لگے، وہ پیکنگ اس زمانے میں ڈاگی بیگ کہلاتی تھی، یہ ٹرینڈ 1980 کی دہائی تک چلتا رہا مگر پھر لوگوں نے یہ بھی ترک کر دیا۔

ان کا خیال تھا یہ چیپ لگتا ہے کہ آپ اپنا بچا ہوا کھانا پیک کرائیں اور ساتھ ساتھ لے کر پھرتے رہیں، آرش درم بخش خوراک کا یہ زیاں بچپن سے دیکھ رہا تھا، وہ حیران ہوتا تھا فرانس میں 35 لاکھ لوگ خوراک کے لیے حکومت کے محتاج ہیں، لوگ کچرے کی ٹوکریوں سے خوراک نکال کر کھاتے ہیں اور دوسری طرف ٹنوں کے حساب سے تیار خوراک ضائع کر دی جاتی ہے، یہ ظلم ہے، یہ زیادتی ہے چنانچہ اس نے جنوری 2015 میں خوراک کا زیاں رکوانے کے لیے دستخطی مہم شروع کی اور چار ماہ میں دو لاکھ دستخط حاصل کر لیے، یہ ایشو اس کے بعد اسمبلی میں گیا اور اسمبلی نے 22 مئی 2015 کو بل پاس کر دیا، فروری 2016 میں فرانس کی سینیٹ نے بھی بل متفقہ طور پر منظور کر لیا۔

بل کے مطابق ملک بھر کی کوئی بھی ایسی سپر مارکیٹ جس کا رقبہ 400 مربع میٹر سے زائد ہو

گا وہ کسی قسم کی خوراک ضائع نہیں کرے گی، سپر مارکیٹ اضافی خوراک مستحق لوگوں تک پہنچائے گی، جانوروں کے استعمال میں دے گی یا پھر یہ کھاد بنانے والے اداروں کے حوالے کرے گی لیکن یہ اسے ضائع نہیں کرے گی، حکومت نے قانون بنا دیا تعلیمی اداروں میں بچوں کو خوراک کے بہتر استعمال اور خوراک کو ضائع ہونے سے بچانے کے طریقے بھی سکھائے جائیں گے تا کہ یہ بچے بڑے ہو کر خوراک کو محفوظ رکھیں، یہ اسے ضائع نہ کریں، یہ بل ایک انقلاب ثابت ہوا اور فرانس میں خوراک کو ضائع ہونے سے بچانے کی باقاعدہ تحریک چل پڑی۔

فارن پالیسی میگزین نے اس سوشل اویئرنیس کا سارا کریڈٹ آرش کو دیا اور اسے ہنڈرڈ تھنکرز آف دی ورلڈ میں شامل کر لیا، آرش کی اس معمولی سی کوشش سے فرانس دنیا میں سب سے زیادہ خوراک ضائع کرنے والے ملکوں کی فہرست سے نکل کر کم کھانا ضائع کرنے والے ملکوں میں آ گیا، ایک شخص کی سوچ بہت بڑا انقلاب بن گئی، یہ انقلاب اب پوری دنیا میں پھیلتا جا رہا ہے، یورپ کے بے شمار ملکوں کے ریستوران اب گاہک کو اس کی ضرورت سے زیادہ کھانا سرو ہی نہیں کرتے، گاہک اگر میز پر کھانا چھوڑ دے تو دیکھنے والے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور تین یورپی ملکوں میں گاہکوں کو اضافی کھانے پر جرمانہ بھی ہو جاتا ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

آرش درم بخش کی کہانی اور کنٹری بیوشن یہاں ختم ہو گیا اور یہاں سے ایک نئی تحریک شروع ہوتی ہے، فرانس میں کھانے کے بعد اب فالتو کپڑوں کے بچاؤ کی تحریک بھی چل رہی ہے، فرانس فیشن کے تین بڑے ملکوں میں شمار ہوتا ہے، یہاں ہر سال کھربوں روپے کا کپڑا اور لباس مارکیٹ میں آتا ہے، اسٹورز میں جگہ محدود ہوتی ہے چنانچہ اسٹور مالکان فالتو بچ جانے والا کپڑا ضائع کر دیتے ہیں، یہ اسے کچرہ گھروں میں پھینک دیتے ہیں یا پھر یہ جلا دیا جاتا ہے یوں فرانس میں ہر سال 7 لاکھ ٹن کپڑا ضائع ہوتا ہے، یہ ضائع ہونے والے کپڑے صرف کپڑے نہیں ہوتے یہ قدرتی وسائل کا وسیع زیاں بھی ہوتے ہیں۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کاٹن کی ایک شرٹ پر کسان سے گاہک تک دو ہزار 700 لیٹر پانی استعمال ہوتا ہے چنانچہ پانچ سات سو روپے کی شرٹ صرف پانچ سات سو کا نقصان نہیں ہوتا یہ پونے تین ہزار لیٹر پانی کا زیاں بھی ہوتا ہے، کپڑے کی تیاری، تراش خراش اور سلائی کے دوران وسیع پیمانے پر کاربن ڈائی آکسائیڈ بھی پیدا ہوتی ہے اور یہ پوری دنیا کے ماحول پر اثر انداز ہوتی ہے، ایک پتلون اور ایک شرٹ پر 14 سو لوگوں کی محنت بھی خرچ ہوتی ہے اور یہ اپنی طبعی زندگی میں کم از کم 21 لوگوں کے کام آتی ہے چنانچہ ہم جب کوئی کپڑا ضائع کر دیتے ہیں تو ہم 21 لوگوں کو ان کی بنیادی ضرورت سے بھی محروم کرتے ہیں۔

ہم 14 سو لوگوں کی محنت بھی برباد کرتے ہیں، ہم دنیا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی پیدائش کا راستہ بھی ہموار کرتے ہیں اور ہم پونے تین ہزار لیٹر پانی بھی ضائع کر دیتے ہیں، فرانس میں آرش جیسے لوگوں کا خیال ہے ہمیں خوراک کی طرح کپڑے اور لباس کو بھی ضائع ہونے سے بچانا چاہیے تاکہ یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کام آ سکے، یہ تحریک بڑی تیزی سے زور پکڑ رہی ہے، فرنچ پارلیمنٹ بہت جلد اس پر بھی قانون سازی کر دے گی۔

آپ اگر کسی دن ریسرچ کریں تو آپ کو دنیا کے مختلف کونوں میں آرش جیسے بے شمار لوگ ملیں گے، یہ لوگ دنیا کو خوبصورت اور قابل رہائش بنا رہے ہیں، آپ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں جائیں، آپ کو پانی کی ٹونٹی کے قریب لکھا ہوا ملے گا دنیا پانی کی شدید قلت کا شکار ہے، ہم پانی کی بچت کر رہے ہیں، آپ ہمارا ساتھ دیں، یہ عبارت صرف عبارت نہیں، یہ ایک تحریک ہے اور یہ تحریک بھی آرش جیسے لوگوں نے شروع کی اور یہ اب دنیا بھر کے فائیو اسٹار ہوٹلوں کے ایس او پیز کا حصہ ہے۔

آپ ریسرچ کریں گے تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے دنیا کے بے شمار لوگ افریقہ میں خوراک، پانی اور رہائش کے مسائل پر بھی کام کر رہے ہیں، آرش جیسے لوگوں نے ایسے اسٹرا بنا

لیے ہیں آپ جن کے ذریعے گندے نالوں اور جوہڑوں کا پانی بھی پی سکتے ہیں، یہ اسٹرا مٹی، جراثیم اور گند آپ کے جسم میں نہیں جانے دیتے، دنیا میں بے شمار لوگوں نے ادویات بینک بھی بنا رکھے ہیں، یہ لوگ مختلف گھروں سے فالتو ادویات جمع کرتے ہیں، انھیں ری پیک کرتے ہیں اور مریضوں تک پہنچا دیتے ہیں، مجھے آئر لینڈ میں چند لوگوں سے ملاقات کا موقع ملا، یہ لوگ معذوروں کے انتقال کے بعد ان کے لواحقین سے ان کی ویل چیئرز، باتھ روم کے آلات اور کپڑے حاصل کرتے ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ضرورت مند معذوروں کو پہنچا دیتے ہیں۔

یہ میڈیکل شوز بھی جمع کرتے ہیں اور پاؤں کے عارضے میں مبتلا مریضوں کو دے دیتے ہیں، برطانیہ میں ایک این جی او پرانی کتابیں اکٹھی کرتی ہے اور یہ کتابیں بعدازاں غریب ملکوں میں پہنچا دیتی ہے، میں نے نیوزی لینڈ میں بے شمار موبائل لائبریریاں دیکھیں، یہ لائبریریاں لوگوں کی ملکیت ہیں، یہ کسی فارغ دن کسی محلے میں چلے جاتے ہیں اور موبائل لائبریری سجا کر بیٹھ جاتے ہیں، لوگ آتے ہیں، کتابیں لیتے ہیں اور پڑھتے رہتے ہیں، عام لوگ موبائل لائبریریوں میں پرانی کتابیں رکھ کر اپنی ضرورت کی کتاب لے جاتے ہیں، یہ علم کی ترسیل کا شاندار طریقہ ہے اور یہ طریقہ اب تک ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بدل چکا ہے۔

میں جب بھی آرش جیسے لوگوں کی جدوجہد اور ترقی یافتہ ملکوں کی طرف سے ان کی پذیرائی دیکھتا ہوں تو میں جیلس ہو جاتا ہوں اور سوچتا ہوں نیکی کے یہ سارے کام صرف یورپ میں کیوں ہوتے ہیں، ہم مسلمان ان میدانوں میں کیوں مار کھا رہے ہیں، ہم کب جاگیں گے، ہم کب انسان ہونے کا ثبوت دیں گے اور ہم کب آرش کی طرح لوگوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے؟ میرے پاس اس کب کا کوئی جواب نہیں، شاید آپ کے پاس ہو!

[بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس]

عاطف عطا

نیوزی لینڈ کے واقعے کا سبق

آج نیوزی لینڈ میں پارلیمنٹ کے دن کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔

اللہ اور جہاد کا نام لے کر دنیا میں قتل و غارتگری کرنے والے جو کام دہائیوں میں نہ کر سکے بلکہ غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی نفرت بڑھانے کا باعث بنے۔ وہ کام چند مظلوم شہادتوں نے کر دیا۔

نیوزی لینڈ کی وزیراعظم اور وہاں کی عوام کا مجموعی مزاج گواہی دے رہا ہے کہ اگر مسلمان عناد کے بجائے دعوت کا کام کرتے تو کچھ بعید نہیں تھا کہ اللہ ایسی نرم دل قوم کے دل کو ایمان سے بھر دیتا اور اپنی اصل ذمہ داری پوری کر کے مسلمان بھی اللہ کے فضل کے مستحق بن جاتے۔

ہمارے اسلاف نے دلوں کو فتح کیا اور نتیجتاً اللہ نے زمین کو ان کے لیے مسخر کر دیا اور اقتدار سے نوازا۔ ہم زمین کی تسخیر اور گمشدہ اقتدار کا لالچ لے کر کھڑے ہوئے خدا نے ہم پہ زمین بھی تنگ کر دی اور دنیا کے دلوں میں نفرت ہمارا انعام ٹھہرا۔

کرائسٹ چرچ کا سانحہ بہت اندوہناک ہے۔ اپنے بھائیوں کی شہادتوں پر ہر مسلمان کا دل رو رہا ہے۔ مگر یہ شہداء اللہ کے منتخب کردہ وہ لوگ ہیں جن کی شہادت اسلام کے متعلق پوری دنیا کا موقف بدل کر رکھ سکتی ہے۔ ان شہادتوں کے بعد دنیا میں یہ سوچ پیدا ہوئی ہے کہ تشدد اور انتہا پسند افراد کسی بھی قوم میں ہو سکتے ہیں۔ پچھلی کئی دہائیوں سے اسلام کو دہشتگردی کے ساتھ منسلک کرنے والوں کے موقف کو اس واقعے سے شدید دھچکا لگا ہے۔ آسٹریلیا میں فریز رآننگ جیسے لوگوں پر سخت تنقید کی جا رہی ہے۔ مبصرین کہنے پر مجبور ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف نفرت آمیز بیانات کو آزادی رائے کہہ کر پھیلانا اس واقعے کا محرک بنا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس واقعے کو اللہ کی طرف سے اپنی اصلاح کا ایک عظیم موقع سمجھیں اور تصادم کے بجائے دنیا کو دردمندی کے ساتھ نبی آخر الزماں کا دیا ہوا وہ پیغام پہنچائیں جس میں نسل انسانی کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز چھپا ہے۔

ڈاکٹر محمد عقیل

نیوزی لینڈ کا سانحہ

نیوزی لینڈ کے سانحے پر غیر مسلموں کے دو کردار سامنے آئے۔ایک کردار اس دہشت گرد کا ہے جس نے نسلی اور مذہبی بنیادوں پر معصوم مسلمانوں کا بے رحمانہ قتل عام کیا۔دوسرا کردار نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم اور عوام کا ہے جنہوں نے شہداء کے لواحقین کو سینے سے لگایا، ان کے لیے شمعیں روشن کیں اور ان کے غم میں آنسو بہا کر رنگ، نسل اور مذہب سے بالاتر ہو کر اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ثبوت دیا۔ یہ ایک ہی نسل کے دو متضاد کردار ہیں۔ایک نفرت، تشدد، نسلی تعصب اور بے رحمی کی علامت۔دوسرا محبت، امن، عدم تعصب اور رحمدلی کا علمبردار۔

اس سانحے کے ردعمل میں ہماری سوسائٹی میں بھی دو قسم کے کردار سامنے آئے۔ایک وہ جنہیں صرف دہشت گرد کا فعل نظر آیا اور انہوں نے اسے پوری سفید فام اور غیر مسلم نسل پر منطبق کر دیا۔ان کا مطالبہ ہے کہ اسی نسلی اور مذہبی بنیادوں پر گوروں اور غیر مسلموں کے خلاف انتقامی کارروائی کی جائے۔دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو محض مرعوبیت کی بنا پر گوروں کے گن گانے میں مصروف ہیں۔یہ لوگ مسلمانوں ہی کو تنقید کا نشانہ بنانے پر تلے ہیں اور اس دہشت گردی کی کارروائی کو یکسر نظر انداز کر رہے ہیں جو اسی قوم کے ایک فرد نے کی ہے۔

یہ دونوں رویے چیزوں کو بلیک اینڈ وہائٹ میں دیکھنے کی غلط عادت ہے جو حقیقت کے خلاف ہے۔حق بات یہ ہے کہ اس شخص کا رویہ دہشت گردی اور قابل مذمت ہے۔لیکن اس مذمت کا مطلب انتقامی کارروائی نہیں بلکہ ڈائیلاگ اور اچھے اخلاقی رویے کے ذریعے اپنی بات غیر مسلموں کو پہنچانا ہے۔اسی طرح نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم اور عوام کا مثبت رویہ قابل تعریف اور لائق تحسین ہے اور یہی وہ اخلاقی رویہ ہے جو ہم مسلمانوں سے غیر مسلموں کے لیے مطلوب ہے۔سفید فام دہشت گرد اور سفید فام نیوزی لینڈ کی ہمدرد قوم، یہ ایک ہی نسل کے دو کردار ہمارے سامنے ہیں۔اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم مثبت اور اعلی اخلاقی کردار کی تقلید کرتے ہیں یا منفی کردار کا تعصب، نفرت اور تشدد پر مبنی رویہ اختیار کرتے ہیں۔

شفقت علی

نیا دن مبارک

نئے سال کی خوشیاں منانا اور مبارکباد دینا یورپی ممالک کی ایک رسم ہے جو رفتہ رفتہ ایشیائی اور مسلم ممالک میں بھی آ چکی ہے۔ نئے سال کے استقبال کے لیے جہاں غیر سنجیدہ لوگ غیر اخلاقی حرکتیں کرتے ہیں ،وہیں سنجیدہ افراد نئے سال کے عزائم (New Year Resolutions) بناتے نظر آتے ہیں۔خیال کیا جاتا ہے کہ نئے سال کے شروع ہونے سے پہلے پہلے یہ عزائم بن جائیں تاکہ جونہی نیا سال شروع ہو ان کی تکمیل کی کوشش جاری ہو جائے۔

ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ آنے والا سال پچھلے سال کی نسبت اچھا اور کامیاب گزرے لیکن اکثر ایسا ہو نہیں پاتا کیونکہ اکثر لوگ اپنے عزائم کو پورا نہیں کر پاتے۔ان عزائم کے پورا نہ ہونے کی کئی ایک وجوہات ہوتی ہیں مثلاً تساہل، مجبوری، محدودیت، غیر مستقل مزاجی وغیرہ۔ یہ سب وجوہات انسان کو ڈی موٹیویٹ (Demotivate) بھی کر دیتی ہیں اور انسان بیچ سال کے ہی اگلے سال کا انتظار شروع کر دیتا ہے اور اُس کے لیے نئے عزائم سوچنے لگ جاتا ہے۔اس طرح اپنا قیمتی سرمایہ یعنی وقت ضائع کر دیتا ہے۔

اس ڈی موٹیویشن (Demotivation) اور تساہل سے بچنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ ایسے عزائم بنائے جائیں جو قابلِ تکمیل ہوں۔ دوسرا یہ کہ خدا سے دعا کی جائے وہ ان عزائم کی تکمیل کے لیے مستقل مزاجی بھی عطا فرمائے۔تیسرا یہ کہ وقت کو سالانہ اور ماہانہ کے علاوہ ہر دن کی بنیاد پر منظّم کیا جائے اور ہر دن کو زندگی کا آخری دن سمجھ کر بھرپور انداز سے گزارا جائے۔کوشش کی جائے کہ منٹ بھی ضائع نہ ہو کیونکہ منٹ وقت کی اکائی ہے۔

نیا سال ایک سال بعد آتا ہے اور نیا مہینہ ایک ماہ بعد مگر نیا دن ہر روز آتا ہے۔ ہر آنے والا

نیا دن ہمیں یہ خاموش پیغام دیتا ہے کہ میری قدر کرو، مجھے ضائع مت کرو، میرا بہتر استعمال کرو کہ میں نہ جانے کتنے لوگوں کو آج نصیب نہیں ہوا۔ آنے والا یہ نیا دن ہمیں موقع دیتا ہے کہ ہم اپنی شخصیت کی تعمیر ٹھیک اس طرح کرسکیں جیسی اس دن کو بھیجنے والا چاہتا ہے۔ لہٰذا ہمیں ہر آنے والے نئے دن کا استقبال اللہ کے شکر اور دعا سے کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منابذہ کی بیع سے منع فرمایا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی بیچنے کے لیے اپنا کپڑا دوسرے شخص کی طرف (جو خریدار ہوتا) پھینکتا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے الٹے پلٹے یا اس کی طرف دیکھے (صرف پھینک دینے کی وجہ سے وہ بیع لازم سمجھی جاتی تھی) اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسۃ سے بھی منع فرمایا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ (خریدنے والا) کپڑے کو بغیر دیکھے صرف اسے چھو دیتا (اور اسی سے بیع لازم ہو جاتی تھی اسے بھی دھوکہ کی بیع قرار دیا گیا۔ (بخاری رقم: 2144)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلہ کے ڈھیر سے گزرے، تو آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کر دیا، آپ کی انگلیاں تر ہو گئیں تو آپ نے فرمایا: غلہ والے! یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بارش سے بھیگ گیا ہے، آپ نے فرمایا: اسے اوپر کیوں نہیں کر دیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں، پھر آپ نے فرمایا: جو دھوکہ دے، ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابن ماجہ رقم: 2224)

ثمر عمیر

روحانی غسل کے مواقع

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس طرز پر بنایا ہے اس کو اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھنے اور اپنا خیال رکھنے کی مستقل ضرورت ہوتی ہے، اگر وہ اس میں لاپرواہی کرتا ہے تو اس کی شکل وصورت بدل کر رہ جاتی ہے۔ البتہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ انسان صفائی کو فطری طور پر پسند کرتا ہے۔

لیکن بالفرض محال اگر کچھ لوگ گندگی کو اپنا لیں تو اس صورت میں کیا نتیجہ نکلے گا؟ ایسے شخص کو ابتدا میں اس کے گھر والے، قریبی ساتھی، ملنے جلنے والے توجہ دلائیں گے مگر پھر بھی اگر وہ باز نہ آئے، سستی اور لاپرواہی کے ساتھ اپنے رویے پر جما رہے اور نصیحت کو ٹالتا رہے تو اسے اپنی گندگی بری لگنا بند ہو جائے گی۔ اپنی پرانی والی اچھی شکل وصورت کو یاد رکھنے اور اپنی خوبصورتی کے کھو جانے پر اسے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔

یہی مثال اس شخص کی ہے جسے اپنی ذات کے حوالے سے کسی تنقید کا سامنا کرنا پڑے یا قدرت اسے کسی طرح اس کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے عملاً حالات پیدا کردے۔ قرآن کی نصیحت واضح طور پر اس کی اس کمی اور کوتاہی کو ایڈریس کرے۔ کوئی نصیحت اسے سوشل میڈیا یا کسی پرخلوص میسیج کے ذریعے پہنچے، لیکن وہ ان تمام پر غور وفکر کرنے اور ٹھہر کر اپنا محاسبہ کرنے کی زحمت گوارہ نہ کرے بلکہ اپنی زندگی میں رواں دواں ہو جائے تو ایسا شخص اپنے روحانی غسل کرنے اور میل کچیل دور کرنے کے چانس کو بری طرح گنوا دیتا ہے۔

وہ اپنی گندگی کے بوجھ کو لادنے پر تیار ہوتا ہے لیکن صفائی کی تکلیف اٹھا کر گند سے آزاد ہونے اور فرحت وتروتازگی کے احساس کو پانے کا حوصلہ نہیں کر پاتا۔ اس کی گندگی غلاظت میں تبدیل ہو جائے گی اور صفائی پہلے سے زیادہ مشکل ہو جائے گی۔ گناہ کے جراثیم جسم کو بیمار کر کے

اسے اندر سے بھی کھوکھلا کر دیں گے، لیکن وہ ان تمام مسائل سے بے نیاز رہ کر بس بے معنی انداز میں اپنا وقت گزارتا رہتا ہے۔ اپنے جسم کے ظاہر اور باطن کو مکمل طور پر آلودہ کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کے جسم سے روح نکلنے کا وقت آ جاتا ہے اور وہ روح اسی آلودگی کو لے کر پاکیزہ ذات کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

افسوس کہ جس ذات نے انسان کو پاکیزہ وجود بخشا تھا۔ اس کے پاس لوٹتے وقت بھی انسان کو اپنے وجود کی امانت کو پاکیزگی کی حالت میں اسے لوٹانا چاہیئے تھا تاکہ وہ پاکیزہ لوگوں کے ابدی مقام میں اپنا ٹھکانا بنا سکتا، لیکن اس نے پے در پے پاک ہونے کے مواقع ضائع کیے۔ اپنے پاکیزہ وجود کو آلودہ رکھ کر اس کی ناقدری کی انتہا کر دی۔

اختیار کی امانت کے بوجھ کو دیانتداری اور حفاظت سے سپرد کرنے کے بجائے بددیانتی کی حد کر دی۔ اپنے آپ کو غلاظت کے ڈھیر میں بدل کر غلاظت کے مقام ''جہنم'' کو اپنا ابدی مقام چن کر ہمیشہ کی بربادی اپنے نام کر والی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بازار میں آنے والے قافلہ تجارت کا بازار سے پہلے) استقبال نہ کرو، جانور کے تھن میں دودھ نہ روکو (تاکہ خریدار دھوکا کھا جائے) اور (جھوٹا خریدار بن کر) ایک دوسرے کا سامان نہ فروخت کراؤ۔ (ترمذی رقم: 1268)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔ بخاری رقم: 10

شہزاد سلیم/عظمیٰ عنبرین

اطمینان

زندگی کے مشکل اہداف میں سے ایک سکون کا حصول ہے۔زیادہ سے زیادہ کا لالچ اور مال و دولت کے معاملے میں دوسروں سے آگے نکلنے کی دوڑ کی کوئی حد نہیں۔ہم میں سے اکثر لوگ اس کام میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔اگرچہ امیر بننے کی کوشش کرنا بذات خود کوئی قابل مذمت چیز نہیں۔یہ صرف اس وقت برا ہوتا ہے جب دولت کسی شخص کی زندگی کا اصل ہدف بن جائے اور وہ اس کے حصول میں خود پر عائد اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرنے لگے۔تب ہی اس رویے پر سوال اٹھتا ہے۔

ایک بار جب کوئی شخص اس مال کو حاصل کر لے جو اس کی ذات اور اس کے کام دونوں کے لیے موجودہ اور مستقبل کی ضروریات کے لیے کافی ہو تو یہی وہ بہترین وقت ہے کہ وہ توقف کرے اور اپنی زندگی کو مکمل طور پر اعلیٰ مقاصد اور بلند آدرشوں کے لیے وقف کر دے۔یہ زندگی کا سب سے بہتر موقع ہوتا ہے جب ہم نہ صرف آرام دہ اور پرسکون ہو سکتے ہیں بلکہ معاشرے کو بہترین وقت واپس ادا کرنے کے لیے اپنی ذات کو وقف کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر کوئی برا کلمہ نہیں آتا تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے یہ ممکن تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میں سب سے زیادہ عزیز مجھے وہ شخص ہے جس کے عادات و اخلاق سب سے عمدہ ہوں۔(بخاری رقم: 3759)

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (60)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی درست اساسات: توکل وتفویض

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی اساسات کے بیان میں ہم نے ایمان ویقین سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ ایمان خدا کو عقلی طور پر ماننے اور یقین دلی طور پر اس کی ہستی کو اس کی صفات کے ساتھ تسلیم کرنے کا نام ہے۔ پھر اسلام، قنوت اور اخلاص کی وہ بنیاد زیر بحث آئی تھی جس میں انسان خود کو خدا کے حوالے کر کے بندگی کا قلادہ گلے میں ڈالتا، فرمانبرداری کی راہ اختیار کرتا اور اپنے ہر عمل کو اس کے لیے خالص کر دیتا ہے۔ خدا کے ساتھ تعلق کا یہ سلسلہ اس کی بے پناہ نعمتوں پر شکر گزاری اور محبت اور اس محبت کی بنیاد پر اس کے دین کی نصرت کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ اعتراف نعمت کا یہ معاملہ انفس وآفاق کی نشانیوں پر تفکر کی عادت سے پیدا ہوتا، پھر اس کی یاد میں ڈھلتا اور اس کے حضور دعا وفریاد کو بندے کی ہستی بنا دیتا ہے۔ خدا سے تعلق کے یہ لطیف پہلو انسان کو بے خوف نہیں بناتے بلکہ بندہ رب کی پکڑ سے ہمیشہ اندیشہ ناک رہ کر تقویٰ کی زندگی گزارتا، اس کی عظمت کے تصور سے لرزاں رہتا اور اس کے سامنے دل ودماغ کو جھکائے رکھتا ہے۔ یہ بندہ اپنی غلطیوں پر توبہ کرنے والا، اسی کی طرف لوٹنے والا اور اسی کی طرف متوجہ رہنے والا بندہ ہوتا ہے۔ یہ بندہ ہر حال میں صبر کرنے والا اور اس کی رضا پر راضی رہنے والا بندہ ہوتا ہے۔

توکل: ایمان کا اہم ترین مظہر

قرآن مجید میں بیان کردہ خدا سے تعلق کی ان ساری اساسات پر ہم پیچھے گفتگو کرتے آئے

ہیں۔ آج اس ضمن کے آخری وصف کو زیر بحث لایا جا رہا ہے جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ یہ وصف توکل کا وصف ہے۔ جو درحقیقت ایمان کا اہم ترین مظہر ہے۔ انسان پر جب مشکل آجاتی ہے تو اس کے اندر خود بخود ایک نفسیاتی میکینزم کام کرنا شروع کر دیتا ہے جو اسے درپیش صورتحال کو برداشت کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ مگر جس وقت مشکل عملاً ابھی نہ آئی ہو اور انسان نے برے حالات کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو تو اس کا تخیل مشکلات کو ہزار گنا بڑھا کر دکھاتا ہے۔ یہ بوجھ انسان کی جان پر نہیں ہوتا اس کی نفسیات پر ہوتا ہے اور اس کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ گویا انسان کی ہستی کا نہیں اس کے حوصلہ کا امتحان ہوتا ہے۔

ایسے میں خدا کی ذات پر توکل اور اس پر بھروسا وہ چیز ہے جو اگر انسان کے اندر نہ ہو تو پھر وہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا جاتا ہے۔ وہ زندگی میں کوئی بڑا کام نہیں کر پاتا۔ اس کی نفسیات کسی چیلنج کا سامنا نہیں کر سکتی۔ اس کی شخصیت کسی طوفان کے مقابلے میں نہیں آ سکتی۔ لیکن اگر انسان کو خدا پر بھروسا ہو جائے تو پھر انسان کے دل سے حالات کا خوف نکل جاتا ہے۔ وہ انجام سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ وہ ہر سیلاب کے مقابلے میں دیوار اور ہر آندھی کے مقابلے میں چٹان بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دشمنوں کا خوف، حالات کی سختی، مستقبل کے اندیشے، مال و وسائل کی کمی، معاندین کی قوت غرض عالم اسباب کی کوئی منفی چیز اور اندیشوں کی کوئی یلغار اسے بندگی کی راہ سے نہیں ہٹا پاتی۔ بندہ اپنا بھروسا اپنے رب پر رکھتا ہے اور ہر طرح کے دشمن، ہر طرح کے حالات اور ہر طرح کے خطرات کے مقابلے میں بے خوف ہو کر اتر جاتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رب اس کے ساتھ ہے۔ وہ رب ہر شے پہ جس کی نظر ہے۔ جو سب جانتا ہے جسے سب خبر ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے۔ جس کے مقابلے کی طاقت کسی چیز میں نہیں۔ اس رب کی معیت کا جس شخص کو یقین ہو جائے ساری خدائی مل کر بھی اسے بے حوصلہ نہیں کر سکتی۔

توکل کا اگلا مرحلہ تفویض ہے۔توکل اگر خدا کا نام لے کر اور اس کا تصور کرکے دل کو مضبوط بنانے کا نام ہے تو تفویض اس کی کارفرمائی اور قدرت پر بھروسا کرکے اس کے حکم کے مطابق مشکل ترین حالات میں وہ قدم اٹھا لینے کا نام ہے جس کا مطالبہ خدا نے کیا ہے۔ یہ اس خدا کو اپنا وکیل بنا لینے کا نام ہے جو مشرق و مغرب کا تنہا رب ہے۔تفویض میں بندہ اپنا معاملہ اپنے رب کے سپرد کر دیتا ہے۔ ہر طوفان سے بے نیاز ہوکر اپنی کشتی اس کے حوالے کر دیتا ہے۔اس یقین کے ساتھ خدا اس کشتی کو ڈوبنے نہیں دے گا۔اور اگر ڈبونے کا فیصلہ بھی کرتا ہے تو اس میں بھی اسی کی کوئی حکمت ہوگی۔ یہ توکل اور یہ تفویض ایمان کا وہ اظہار ہے جس سے بڑا ایمان کا ظہور آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کم ہی وجود میں آسکتا ہے۔

توکل اور اسباب

تاہم اس توکل وتفویض کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اسباب کی دنیا سے نظریں چرا لے، اپنی حماقتوں اور بے تدبیری کو خدا کے کھاتے میں ڈال دے، اپنی بے بصیرتی اور خدا کی سنتوں سے بے خبری کو اپنا ایمان سمجھ لے۔ خدا کی بنائی ہوئی دنیا اسباب کی دنیا ہے۔اس میں کشتی کے بغیر کوئی شخص سمندر میں اترے گا تو آخر کار ڈوبے گا۔ بندہ پر لازم ہے کہ وہ سمجھے کہ خدا دنیا کو اسباب کے کن اصولوں کے تحت چلا رہا ہے۔ان اسباب کا ممکنہ حد تک اہتمام کرے۔اسباب کا اہتمام نہ کرسکتا ہو تو خود کو اس امتحان میں نہ ڈالے جس میں معلوم ہے کہ خدا کی مدد اسباب کے اہتمام کے بغیر نہیں آیا کرتی۔ یہ کرے گا تو مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔تاہم ایک دفعہ اسباب کا اہتمام کرلیا یا حالات نے کسی ایسے جبر میں ڈال دیا جہاں اسباب کا اہتمام ہو ہی نہیں سکتا تو پھر ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان خدا پہ بھروسا کرے اور ہر مشکل کا سامنا پورے حوصلہ کے ساتھ کرنے کے لیے اٹھ جائے۔ پھر خدا آتا ہے اور وہاں سے آتا ہے جہاں سے انسان کا گمان بھی نہیں

ہوتا۔ خدا انسان کے لیے کافی ہوجاتا ہے، اس طرح کافی ہوجاتا ہے کہ کسی دوسرے کی ضرورت نہیں رہتی۔

پھر خارج سے مدد آتی ہے۔ اندر سے مدد آتی ہے۔ حالات بدل جاتے ہیں۔ احوال تبدیل کردیے جاتے ہیں۔ انہونی ہونی میں بدل جاتی ہے۔ ناممکنات ممکنات میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اسباب مہیا کردیے جاتے ہیں۔ وسائل چل کر آجاتے ہیں۔ انسان آگے بڑھ کر راستہ دیتے ہیں اور کوئی نہ آئے تو خدا خود آجاتا ہے۔ اس کے فرشتے راستہ ہموار کردیتے ہیں۔ یہ ہوتا ہے اور اس کے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

امید، طمع اور رغبت

بندہ مومن کو بدترین حالات میں حوصلہ دینے والی چیز رجا یا امید ہوتی ہے۔ بندہ مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خدا کی رحمت سے مایوسی کفر کی علامت ہے جو ایمان کی عدم موجودگی کی علامت ہے۔ امید عین ایمان ہے جو بندہ مومن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ خدا خدا ہے۔ پتھر کا بت نہیں ہے جسے پکارنا اور نہ پکارنا ایک برابر ہو۔ خدا سمیع و بصیر ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ وہ سب کا رب ہے، مگر اپنے ماننے والوں کا تو سب سے بڑھ کر ہے۔ وہ سب کا مالک ہے، مگر اپنے نام لیواؤں کا تو حامی و ناصر بھی ہے۔ جب وہ ساتھ ہے، جب وہ حامی و ناصر ہے تو پھر مایوسی کا کیا سوال۔ پھر بدترین حالات میں بھی امید نہیں ٹوٹتی۔ مایوسی غالب نہیں ہوتی۔ بندہ طمع کے ساتھ اسے پکارتا ہے۔ رغبت کے ساتھ اس کی امید رکھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ خدا کو زیب دیتا ہے کہ اس جیسے سخی سے طمع کی جائے اور اس جیسے ان داتا سے رغبت سے مانگا جائے۔ اس سے طمع و رغبت کے ساتھ مانگنا عبادت ہے اور اس کے غیر سے مانگنا جرم ہے۔ چنانچہ بندہ اس سے امید رکھتا ہے۔ اس سے فریاد کرتا ہے اور آخر کار اسی سے پاتا بھی ہے۔ اس لیے کہ اس کے سوا دینے والا کوئی نہیں۔

توکل وتفویض کے ساتھ جس شخص کی امید خدا سے نہیں بندھی، اس نے طمع و رغبت کے ساتھ خدا کو نہیں پکارا، وہ مومن نہیں، اپنی حقیقت کے اعتبار سے کافر ہے۔اس نے ابھی تک ایمان کا ذائقہ نہیں چکھا۔

قرآنی بیانات

’’(پھر روانہ ہونے لگے تو) اُس نے اُن کو ہدایت کی کہ میرے بیٹو، تم سب ایک ہی دروازے سے (مصر کے دارالسلطنت میں) داخل نہ ہونا، بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا۔ (یہ محض ایک تدبیر ہے، ورنہ) حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کے مقابل میں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ تمام اختیار تو اللہ ہی کا ہے۔ میں نے اُسی پر بھروسا کیا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو اُسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔‘‘، (یوسف 12:67)

’’(اے پیغمبر)، ہم نے اِسی طرح (ایسی کسی نشانی کے بغیر ہی) تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ایک ایسی قوم میں جس سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں، اِس لیے کہ تم اُنھیں وہ پیغام سنا دو جو ہم نے تم پر وحی کیا ہے، ہر چند وہ خدائے رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔ اِن سے کہو کہ وہی میرا پروردگار ہے، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، میں نے اُسی پر بھروسا کیا ہے اور (جانتا ہوں کہ ایک دن) اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔‘‘، (الرعد 13:30)

’’اگر ہم تمھاری ملت میں لوٹ آئیں، اِس کے بعد کہ اللہ ہمیں اُس سے نجات دے چکا ہے تو (اِس کے معنی یہ ہیں کہ) ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ (نہیں)، یہ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم اُس میں لوٹ آئیں، اِلّا یہ کہ اللہ، ہمارا پروردگار ہی چاہے۔ ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہم نے اللہ پر بھروسا کیا ہے۔ پروردگار، ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے، تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔‘‘، (الاعراف 7:89)

’’کہہ دو: (ہم اپنے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ) وہ سراسر رحمت ہے۔ ہم اُس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے اُسی پر بھروسا کیا ہے۔ سو عنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔‘‘، (الملک 67:29)

’’(ایمان والو)، اگر اللہ تمھاری مدد پر ہو تو کوئی تم پر غلبہ نہیں پا سکتا اور وہ تمھیں چھوڑ دے تو

اُس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے گا؟ اور اِیمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''،(آل عمران 3:160)

''سو یہ اللہ کی عنایت ہے کہ تم اِن کے لیے بڑے نرم خو واقع ہوئے ہو،(اے پیغمبر)۔ اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمھارے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ اِس لیے اِن سے درگذر کرو، اِن کے لیے مغفرت چاہو اور معاملات میں اِن سے مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب فیصلہ کر لو تو اللہ پر بھروسا کرو، اِس لیے کہ اللہ کو وہی لوگ پسند ہیں جو اُس پر بھروسا کرنے والے ہوں۔''،(آل عمران 3:159)

''یاد کرو، جب منافقین اور وہ بھی جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے، (خود تمھارے متعلق) کہہ رہے تھے کہ اِن کے دین نے اِن لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا ہے، دراں حالیکہ جو اللہ پر بھروسا رکھتے ہیں، (اللہ ضرور اُن کی مدد کرتا ہے)، اِس لیے کہ اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔''،(الانفال 8:49)

''اگر تم اِن سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو، پھر تم نے سوچا ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اللہ کے سوا جن دیویوں کو تم پکارتے ہو، کیا یہ اُس کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتی ہیں؟ یا اللہ مجھ پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کیا یہ اُس کے فضل کو روکنے والی ہو سکتی ہیں؟ کہہ دو، میرے لیے اللہ کافی ہے، بھروسا کرنے والے اُسی پر بھروسا کرتے ہیں۔''،(الزمر 39:38)

''اِس طرح کی سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ ایمان والوں کو غم زدہ کر دے، دراں حالیکہ خدا کی اجازت کے بغیر وہ اُن کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور ایمان والوں کو تو ہر حال میں اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''،(المجادلہ 58:10)

''اور اُنھیں وہاں سے رزق دے گا، جدھر اُن کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسا کریں گے، وہ اُن (کی دست گیری) کے لیے کافی ہے۔ بے شک، اللہ اپنے ارادے پورے کر کے رہتا ہے۔ (ہاں، یہ ضرور ہے کہ) اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔''،(طلاق 65:3)

''تم اُس جیتے پر بھروسا رکھو جو مرنے والا نہیں ہے اور اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے

رہو۔ (وہ اِن سے خود سمجھ لے گا)، اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کے لیے وہ کافی ہے۔''، (الفرقان 58:25)

''اور اللہ پر بھروسا رکھو اور بھروسے کے لیے اللہ کافی ہے۔''، (الاحزاب 3:33)

''کہتے ہیں کہ سرِ تسلیم خم ہے، پھر جب تمھارے پاس سے ہٹتے ہیں تو اِن میں سے ایک گروہ اپنی اِس بات کے بالکل برخلاف مشورے کرتا ہے۔ اِن کی یہ تمام سرگوشیاں اللہ لکھ رہا ہے۔ سو اِن سے اعراض کرو اور اللہ پر بھروسا رکھو اور (جان لو کہ) اللہ بھروسے کے لیے کافی ہے۔''، (النساء 81:4)

''وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اِس لیے اُسی کو اپنا کارساز بناؤ''، (مزمل 9:73)

''(ایمان والو، اِس جنگ کے لیے نکلو) اور دشمن کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمھاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں، لیکن تم خدا سے وہ توقعات رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے، اور اللہ علیم و حکیم ہے۔''، (النساء 104:4)

''میرے بیٹو، جاؤ یوسف اور اُس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے تو صرف منکرین ہی مایوس ہوتے ہیں۔''، (یوسف 87:12)

''ابراہیم نے کہا: اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون مایوس ہو سکتا ہے۔''، (الحجر 56:15)

''عنقریب تم اُسے یاد کرو گے۔ میں اپنا معاملہ اب اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کا نگران ہے۔''، (الغافر 44:40)

''پھر اُس کی یہ دعا ہم نے قبول کی اور اُسے یحییٰ عطا فرمایا اور اُس کی بیوی کو اُس کے لیے بھلا چنگا کر دیا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے تھے اور امید و بیم کی ہر حالت میں ہم کو پکارتے اور ہمارے آگے سرافگندہ رہنے والے تھے۔''، (الانبیا 90:21)

''اور زمین کی اصلاح کے بعد اُس میں فساد برپا نہ کرو اور اُسی کو پکارو، بیم و رجا، دونوں حالتوں میں۔ (یہی خوبی کا راستہ ہے) بے شک، اللہ کی رحمت اُن لوگوں سے قریب ہے جو خوبی اختیار کرنے والے ہیں۔''، (الاعراف 56:7)

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (64)

سلطنت عثمانیہ کا عروج و زوال

سلطنت عثمانیہ کا آغاز 1299ء میں عثمان خان سے ہوا۔ تقریباً سات سو سال کے بعد اس کا اختتام 1923ء میں سلطان محمد ششم پر ہوا۔ سلطنت عثمانیہ کے پورے دور کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

دور آغاز اور عروج 1299–1566ء

دور جمود 1566–1822ء

دور زوال 1822–1923ء

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ سلطنت عثمانیہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے بادشاہوں کی حکومت کو کہتے ہیں۔ یہ سلاطین ایک ترکمان سردار عثمان خان کی اولاد میں سے تھے جو کہ سلجوقی بادشاہوں کے ایک اہم جنگی کمانڈر تھے۔ عثمان خان نے سلجوقی اور بازنطینی سلطنتوں کے درمیان ایک چھوٹی سی عثمانی سلطنت کی بنیاد رکھی جو کہ اناطولیہ کے تقریباً نصف حصے پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے اورخان اور پوتے مراد اول کے دور میں یہ سلطنت پھیلنے لگی۔ 1453ء میں سلطان محمد اول نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ سلطان سلیم (1512–1520) نے شام، عراق، فلسطین اور مصر کے علاقے فتح کر کے آخری عباسی بادشاہ سے "خلیفہ" کا ٹائٹل چھین لیا۔

سلیم کے بعد سلیمان قانونی (1520–1566) کا دور آیا جو کہ عثمانی سلطنت کا نقطہ عروج سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں یورپ کے بہت سے علاقے فتح ہوئے اور جزیرہ نما بلقان کا بڑا حصہ عثمانی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ یوں سمجھ لیجیے کہ موجودہ دور کے بلغاریہ، یونان، رومانیہ اور ہنگری کے علاقے عثمانیوں کی سلطنت کا حصہ بنے۔ اپنے آباؤ اجداد کے برعکس سلیمان نہ صرف تلوار

کے دھنی تھے بلکہ وہ تصنیف وتالیف کے شوقین بھی تھے۔ وہ پہلے عثمانی بادشاہ تھے جنھوں نے سلطنت کے قوانین مرتب کیے اور اس کے بل بوتے پر انہیں ''قانونی'' کا لقب ملا۔ انہوں نے یہودی وعیسائی اقلیتوں کو بہت سے حقوق عطا کیے۔ ان کے دور میں آرٹ اور کلچر نے بہت ترقی کی۔

سلیمان کے بعد سلطنت عثمانیہ کا دور جمود شروع ہوا جو کہ مزید اڑھائی سو برس جاری رہا۔ اس کے بعد عثمانیوں نے یورپ اور روس کے کئی علاقے کھودیے۔ بالآخر سلطنت عثمانیہ کا زوال شروع ہوا اور سلطنت کمزور پڑنے لگی۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ جب جرمنی کو شکست ہوئی تو اتحادی افواج نے ترکی کے حصے بخرے کر دیے اور انہی کے زیر اثر مصطفیٰ کمال نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔

عثمانیوں کے عروج کے پیچھے جو اسباب کارفرما تھے ان میں بنیادی حیثیت ان کی دینی اور اخلاقی حالت کو حاصل ہے۔ شروع کے دور کے عثمانی بادشاہ بہت دین دار اور نیک تھے۔ یہ لوگ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت ہی اچھا سلوک کرتے۔ ان کے لئے رفاہ عامہ کے کام کرواتے۔ میدان جنگ میں بادشاہ خود اگلی صفوں میں لڑ کر اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھاتے۔ سرکاری دعوتوں میں بادشاہ اپنے سپاہیوں کو خود کھانا سرو کیا کرتے تھے۔

عثمانیوں کے عروج کا دوسرا سبب ان کی برتر ٹیکنالوجی تھی۔ ان کی ہم عصر یورپی اقوام اپنے اس دور کو ڈارک ایجز سے تعبیر کرتی ہیں۔ یہ وہی دور تھا جب ان کے سائنس دانوں کو ایسے سائنسی انکشافات، جو کہ ان کے مذہبی عقیدے سے مختلف تھے، کی پاداش میں زندہ جلایا جا رہا تھا۔ انکویزیشن کی عدالتوں کے ذریعے عقیدے میں ذرا سا اختلاف کرنے والے کو موت کی سزا دے دی جاتی۔ عثمانیوں نے ایک شاندار بحری قوت تیار کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے سائنس دان نت نئی ایجادات میں مصروف رہے جس کے نتیجے میں انہیں یورپ اور معاصر ایشیائی قوتوں پر

زبردست برتری حاصل رہی۔

عثمانیوں کے عروج کی تیسری وجہ ان کی شاندار تنظیم تھی۔ ان کے درمیانے دور میں ایک ادارہ تشکیل پایا جو کہ ''دیوشرمی'' کہلاتا تھا۔ یہ غلاموں پر مشتمل افواج تھیں۔ وسطی ایشیا کے عیسائی خاندانوں سے ان کے بچوں کو خریدا جاتا۔ ان کی تربیت کی جاتی اور اعلیٰ تربیت کے بعد ان کی صلاحیت کے اعتبار سے انہیں فوج یا سول سروس میں اعلیٰ عہدے دیے جاتے۔ اس موقع پر انہیں آزاد بھی کر دیا جاتا۔ یہ لوگ ساری عمر بادشاہوں کے وفادار بن کر رہتے۔ چونکہ ان لوگوں کو سلطنت میں اعلیٰ اسٹیٹس حاصل ہوتا، اس لئے غریب والدین خود اپنے بچوں کو حکومت کے ہاتھوں فروخت کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے خاندان کو معاشرے میں اچھا مقام حاصل ہو سکے۔

عثمانیوں کے عروج کی چوتھی بڑی وجہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کا حسن سلوک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں انتہا پسند عیسائیوں کے ستائے ہوئے اعلیٰ تعلیم یافتہ یہودی اور اسپینی مسلمان ترکی میں آ کر آباد ہوئے۔ نہ صرف یہودی اور مسلمان بلکہ خود عیسائیوں کے وہ فرقے جو کلیسا سے اختلاف رکھتے تھے، ان کی جائے پناہ عثمانیوں کا دیس تھا جو انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے تیار تھا۔ کلیسا کے ستائے ہوئے عیسائی اور یہودی، عثمانیوں کی فتح میں بہت مدد و معاون ثابت ہوئے۔ مشہور مستشرق لوئیس برنارڈ، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے شدید ناقد ہیں، لکھتے ہیں:

بہت سی عیسائی کمیونیٹیز (عثمانی سلطنت میں) اپنی لیڈر شپ کے تحت رہ رہی تھیں جو کہ حکومت کی منظور کردہ تھیں۔ ان کے اپنے اسکول اور تعلیمی نظام تھے۔ شادی، طلاق، وراثت اور مذہبی معاملات کے بارے میں ان کے اپنے قوانین ان پر نافذ کیے جاتے تھے۔ یہودیوں کا بھی یہی معاملہ تھا۔ اس طرح صورت حال یہ تھی کہ ایک ہی گلی میں رہنے والے تین افراد، جو تین مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، اگر مرتے تھے تو ان کی جائیدادیں تین مختلف قانونی نظاموں کے تحت تقسیم ہوا کرتی تھیں۔

یہود اگر یوم سبت یا یوم کپور کی خلاف ورزی کرتے تو ان کو سزائیں ان کی اپنی ربانی عدالتوں سے ملتی تھیں۔ عیسائیوں کو دوسری شادی کرنے پر ان کی اپنی عدالتیں سزا دیتیں کیونکہ یہ عیسائیت میں تو جرم ہے مگر عثمانیوں کے ہاں یہ جرم نہ تھا۔ اسلامی قوانین کی پابندی سے یہود و نصاری آزاد تھے۔ رمضان کے مقدس مہینے میں ان پر سر عام کھانے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ انہیں شراب بنانے، آپس میں بیچنے اور پینے کی آزادی بھی تھی۔ عثمانی دور کی بعض سرکاری دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ عدالتوں کے سامنے یہ مسئلہ پیش آیا کہ مسلمانوں کو یہود و نصاری کی شادیوں میں شراب پینے سے کیسے روکا جائے؟ اس معاملے میں بھی سب پر پابندی عائد کر دینے کے آسان حل کو قابل غور نہ سمجھا گیا۔

(Islam&Europe)

یہ عثمانیوں کے عروج کی وجوہات تھیں جس کی بدولت ان سے تمام کمیونٹیز خوش رہا کرتی تھیں۔ جب ایک عام آدمی کو حکومت سے اس کا حق مل رہا ہو تو وہ خود کو قوم کا حصہ سمجھتا ہے اور اس کی تعمیر و ترقی میں اپنی ذمہ داری کو ادا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر حکومت اسے اس کا حق نہ دے تو پھر وہ خود کو الگ تھلگ محسوس کرتے ہوئے ملک و قوم سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔

اپنے دور زوال میں عثمانیوں نے اپنے آباؤ اجداد کی اچھی عادتوں کو چھوڑ دیا۔ ان کے زوال کی سب سے بڑی وجہ ان کا اخلاقی انحطاط تھا۔ سلاطین اور امراء نے اپنے حرموں میں خوبصورت لڑکیاں جمع کرنا شروع کر دیں۔ اس عیش پرستی کے نتیجے میں وہ حکومتی معاملات سے بے خبر ہوتے چلے گئے اور کرپشن پھیلنے لگی۔ سلیمان اعظم اپنی ایک خوبصورت روسی لونڈی روکسلین کے عشق میں ایسا پاگل ہوا کہ اسے ملکہ بنا کر سارے معاملات اس کے سپرد کر دیے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

ماہ مبارکہ تیرے آنے کا شکریہ
امید مغفرت کی دلانے کا شکریہ
آباد ہو گئیں تیرے آنے سے مسجدیں
غافل دلوں کو رب سے ملانے کا شکریہ
ہر سمت ہیں فراخئ روزی کی برکتیں
اور نعمتوں کے خوان سجانے کا شکریہ
رحمت بھی، مغفرت بھی، ہے راہِ نجات بھی
تقویٰ کے راستے پہ چلانے کا شکریہ
دیتا ہے جاتے جاتے ہمیں عید کی نوید
روٹھے ہوئے دلوں کو منانے کا شکریہ
رنگ حنا نے لکھ دیں خوشی کی عبارتیں
خوش رنگ ساعتوں کو منانے کا شکریہ

استقبال رمضان

اتر آتا ہے میرے گھر میں جب رمضان کا موسم
مجھے خود سے بھی ملنے کی ذرا فرصت نہیں ملتی
یہ روز و شب گزرتے ہیں سپاروں کی تلاوت میں
کسی جانب نظر ڈالوں مجھے مہلت نہیں ملتی

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلیے:

کراچی کے لیے 500، بیرون کراچی کے لیے 400 روپے کا منی آرڈر ہمارے پتے پر ارسال کیجیے...... یا
ایک پے آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام ''ماہنامہ انذار'' بینک الفلاح لمیٹڈ (صدر برانچ)
اکاؤنٹ نمبر 0171-1003-729378 کے نام بھجوایئے
رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

ایجنسی لینے کا طریقہ کار:

ایجنسی کے لیے ہر ماہ کم از کم پانچ رسالے لینا ضروری ہے
ایجنسی کا ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے
ایجنسی لینے کے لیے اوپر دیئے گئے پتے پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

Monthly
INZAAR

MAY 2019
Vol. 07, No. 05
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi